© rasailojaraid.com

ڈاکٹر سید عبداللہ

تخلیقِ پاکستان کے ثقافتی محرکات

مغرب کی تفریق پسند ذہنیت زندگی کی کلیت میں اعتقاد نہیں رکھتی۔ بلکہ کُل کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیکھتی ہے۔ اور ہر ٹکڑے کو مستقل حیثیت دے دیتی ہے، جس سے زندگی کا تصور بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے، اور فکری انتشار جنم لیتا ہے۔ یہ ذہنیت ثقافت کو بھی کل زندگی سے جدا کر کے اسے ایک مستقل عنوان دیتی ہے اور ایک جدا حقیقت کے طور پر اس سے بحث کرتی رہتی ہے۔

یہ اسلام کے تصورِ زندگی کی ضد ہے۔ اسلام زندگی کو ثقافت سے اور ثقافت کو دین سے جدا نہیں سمجھتا۔ دین کل زندگی کے متوازن اور ہم آہنگ عقیدہ و عمل کا نام ہے، اور ثقافت بھی اس عقیدہ و عمل سے کوئی الگ شے نہیں۔ اسلام میں ثقافت دین سے کوئی جدا اظہار یا عقیدہ یا عمل نہیں۔ یاد رہے کہ یہ لفظ ہماری تاریخی اور تہذیبی اصطلاحوں میں موجود ہی نہیں۔ یہ مغربی لفظ کلچر سے تھوڑا عرصہ قبل لیا گیا اور اب اسی معنی میں رائج ہے۔ لہذا اس کا سارا ماحول مغربی ہے ہمارے ملک میں اس کے لیے چند اور لفظ بھی رائج ہوئے مثلاً تہذیب و تمدن یا تہذیب و معاشرت۔ میرے خیال میں وہ بہتر تھے۔ اس وجہ سے میں اپنی بحث میں لفظِ ثقافت استعمال نہیں کروں گا۔ البتہ آج کے قاری کے نقطہ نظر سے کلچر کی تعریف اور حد بندی ضروری ہے تاکہ اس موضوع پر کچھ گفتگو ہو سکے۔

کلچر کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں۔ مجموعاً یہ کسی قوم کے کم و بیش یکساں اور مشترک رویّوں اور طور طریقوں کا نام ہے جو قوم کے خاص عقائد کے تحت اور جغرافیائی عوامل کے تابع، قانون کی قید کے بغیر آزادانہ اور رضاکارانہ پیدا ہو کر اس قوم کو انفرادیت بخشتے ہیں اور پختہ شکل میں ان میں حسن اور معنی کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ انگریزی میں اس صورتِ حال کے لیے کبھی CIVILIZATION اور کبھی CULTURE کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے اگرچہ ان میں سے ایک دوسری سے وسیع تر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال میں کلچر کی مذکورہ بالا تعریف کی روشنی میں یہ جستجو کرنے کی کوشش کروں گا کہ تحریکِ پاکستان کی تقویت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے الگ الگ کلچر یعنی تہذیب و تمدن نے بھی کچھ حصہ لیا یا نہیں۔

قائداعظم نے یکم جولائی ۱۹۴۲ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو بیان دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ "ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ معاشرتی طور طریق، رسوم و رواج زبان و ادب، فنونِ لطیفہ، نام و نسب، شعورِ اقدار و تناسب، قانون و اخلاق، تاریخ و روایات رجحان و مقاصد کے لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے۔"

مذکورۂ بالا امور کے لحاظ سے، مسلمان از ابتدا ہندوؤں سے الگ قوم تھے۔ صرف عقائدِ مذہب ہی کا فرق انفرادیت کا باعث نہ تھا۔ صرف توحید و رسالت اور ارکانِ خمسہ کی بنا پر ہی مسلمان ہندوؤں سے جدا قوم نہ تھے، بلکہ ان کی کل معاشرت اور کل فلسفۂ حیات ہندوؤں سے مختلف تھا۔

یہی وجہ ہے کہ قائداعظم نے فرمایا:

"اسلام کے قومی تصوّر اور ہندو دھرم کے سماجی طور طریقوں کے باہمی اختلاف کو محض وہم و گمان بتلانا ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے، ایک ہزار سال سے ہندوؤں کی تہذیب اور مسلمانوں کی تہذیب ایک دوسری سے دوچار ہیں، یہ دونوں قومیں آپس میں میل جول رکھتی چلی آئی ہیں، مگر ان کے اختلافات اسی شدت سے موجود ہیں" (اجلاس مسلم لیگ لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء)

اسی موقعہ پر انھوں نے کہا:

"اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں بلکہ درحقیقت دو مختلف معاشرتی نظام ہیں.... ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق نہیں کر سکتے۔"

اسی دلیل کی بنیاد پر انھوں نے کہا کہ:

"مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے وطن نہیں اور نہ ہی نسل ــ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہ رہا ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔" (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء)

اسی قسم کے خیالات علامہ اقبال نے الہ آباد کے اجلاس مسلم لیگ کے خطبہ صدارت میں، اس کے علاوہ جواہر لال نہرو کے جواب میں، اسلامی کلچر کی انفرادی حیثیت کے اثبات میں ظاہر فرمائے۔

ان اقتباسات سے روشن ہے کہ قائداعظم اور علامہ اقبال دونوں نے اپنے نظریۂ پاکستان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توضیح کے وقت مذہب کے علاوہ معاشرتی (تہذیبی و تمدنی) بنیادوں پر بھی مسلمانوں کو ایک الگ قوم ثابت کیا۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اتنی واضح انفرادیت اور اتنے قطعی فرق کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کی الگ قومیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً جب کہ دوسرے عمرانی، سیاسی اور معاشی وجوہ بھی موجود تھے۔

یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں عقائد کی داخلی صورت اور خارجی معاشرتی عمل میں ہم آہنگی ہے۔ اسلام نے ایک واضح معاشرتی دستور العمل دیا ہے جو مذہب کا حصہ ہے اور اس معاشرتی نقش کے تحفظ کے لیے ہر دور کے مجددین و مصلحین کوشاں رہے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایک واضح معاشرتی عمل موجود رہا ہے اور شیخ مجدد، شاہ ولی اللہ اور ان جیسے دوسرے علما و فضلا نے اس نقش کو آلائشوں سے پاک کرنے پر علی الدوام توجہ صرف کی۔ چنانچہ ردِ بدعت اور اثباتِ سنت کی ساری تحریکوں کا یہی مقصد تھا اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ قیامِ پاکستان میں اس مذہبی معاشرتی تاریخ نے بھی بڑا حصہ لیا اور اس طرح دوسرے اسباب کے علاوہ اس تہذیبی فرق نے بھی دو قومی نظریے کی تحریک کو قوت دی۔ افسوس ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد اس دو قومی نظریے کے بارے میں بڑی تشکیک پیدا کی گئی اور طرح طرح سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ سارا مسئلہ معاشی اور قدرے سیاسی تھا۔ معاشرتی و تہذیبی نہ تھا۔ اور مذہب کا تو اس سے کچھ تعلق ہی نہ تھا۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ معاشی اور سیاسی عدم توازن بھی کارفرما تھا لیکن بالآخر یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ ہندو، مسلمانوں کے خلاف معاشی اور سیاسی، ناانصافی کیوں کرتے تھے؟ کیا اس کی صرف یہ وجہ نہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کو اپنے سے جدا قوم سمجھ کر ان سے تفاوت برتتے تھے۔ حق یہ ہے کہ ہندوؤں کا یہ اظہارِ بیگانگی بربنائے مذہب بھی تھا اور بربنائے تہذیب و معاشرت بھی۔

مسلمان تقریباً ایک ہزار سال ہندوستان پر حکمران رہے۔ اس سارے عرصہ میں ہندو عوام نے مسلمانوں سے معاشرتی میل جول پیدا نہ کیا۔ مغلوں کے دور تک انھوں نے مسلمان حکمرانوں کی ملازمت تک سے بھی اجتناب کیا۔ مغلوں کے زمانے میں اکبر نے ان کو قریب تر لانے کی کوشش کی اور ملازمتوں کی ترغیب دی مگر چھوت چھات اور احساسِ علیحدگی برقرار رہا۔ اور جب مغلوں کی مرکزیت میں زوال آیا تو ہندوؤں کا جذبۂ علیحدگی جذبۂ مخاصمت میں بدل گیا۔ ان کے مورخ سجان رائے بٹالوی (خلاصۃ التواریخ) اور شفیق اورنگ آبادی (بساط الغنائم) صاف صاف زہر چکانی کرتے نظر آتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انگریزی دور کے طلوع پر تو ہندو اہلِ قلم اور ان کی سیاسی اور مذہبی جماعتیں صاف عریاں نظر آتی ہیں۔

جو لوگ قیامِ پاکستان کے لیے کوشاں تھے ان کی دلیل یہ تھی کہ متحدہ مملکتِ ہند میں ہندو اکثریت کا راج ہوگا اور ظاہر ہے کہ سیاسی اکثریت کا غلبہ زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوا کرتا ہے ـــ قائداعظم کا یہ خدشہ بجا تھا کہ ہندو اکثریت مسلمانوں کی معاشرت و ثقافت کے انفرادی نقش کو مٹا نہ دے۔ اور دنیا کے واقعات کو دیکھ کر یہ خدشہ بے جا بھی معلوم نہیں ہوگا۔

تو کہنا یہ ہے کہ ہندوؤں کی طرف سے معاشی اور سیاسی تفاوت کی بنا بھی تو مذہبی اور معاشرتی تھی۔ آزادی کی تحریکوں کے وقت کانگرس وغیرہ کی طرف سے صلح جوئی اور ہم قومیت کا نعرہ اس مصلحت کے تحت تھا کہ مغرب کے جمہوری تصورات کی روشنی میں حکومت اکثریت (یعنی ہندوؤں) کے ہاتھ آرہی تھی جس سے ہندوؤں کو فائدہ تھا۔ ورنہ پوری تاریخ میں ہندوؤں نے کسی دوسرے معاشرتی گروہ سے "ہم قومی" کا اظہار نہیں کیا۔

ہمارے ملک کے بعض اہلِ فکر جو مذہبی بنیادوں پر کسی قومیت کو استوار کرنے کے حق میں نہیں، اس معاشرتی فرق کو اہمیت نہیں دینا چاہتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ مختلف خطوں کی معاشرت جدا ہے اور ان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی معاشرت ایک تھی اور ایک ہے۔

اگرچہ یہ حضرات مذہب کو قومیت کی بنیاد نہیں مانتے لیکن اس امر سے وہ بھی انکار نہ کرسکیں گے کہ قیامِ پاکستان سے قبل مسلمانوں کی اکثریت کی معاشرت ہندوؤں کی اکثریت کی معاشرت سے جُدا تھی ـــ بلکہ بھارت میں اب بھی جُدا ہے۔ ان میں جزوی اشتراک ہوسکتا ہے مگر عمومی میلانات جُدا ہیں۔ بلاشبہ انگریزی دان طبقے میں دونوں قوموں کے بعض ظاہری طور طریقے مثلاً لباس اور فیشن اہلِ زندگی میں دونوں قوموں کے اسالیب فرنگی تھے اور اب بھی فرنگی ہیں، لیکن جمہور کی وسیع اکثریت کل بھی جدا تھی اور آج بھی جزوی اشتراک کے باوصف جدا ہے۔ ان دونوں قوموں کی معاشرتوں کے پیچھے ان کے مذہب تھے، جس کے باعث ان معاشرتوں کا جدا ہونا لازمی تھا۔

جیسا کہ قائداعظم نے فرمایا تھا، ان دونوں قوموں کے مابین شادی بیاہ نہیں ہوسکتا۔ ان کے عوام آپس میں مل کر بلا تکلف کھانا نہیں کھا سکتے ـــ ہندو اپنے سوا سب کو ملیچھ سمجھتے ہیں ـــ ان کا عقیدۂ خدا اور رسول ہی جدا نہیں، بلکہ شخصی قانون بھی جدا ہیں اور رسوم و رواج بھی جدا ـــ اور سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بڑھ کر یہ کہ تاریخی پس منظر بھی جُدا، فلسفۂ حیات اور مقاصد اور نصب العین بھی جُدا، اور ذوق و مشرب بھی جدا ہے۔

تعجب یہ ہے کہ دو قومی نظریے کے مخالف موجودہ صوبۂ سرحد، پنجاب، سندھ، اور بلوچستان کو، جہاں سب کے سب مسلمان بستے ہیں، الگ الگ معاشرتی تہذیبی منطقے قرار دے کر انھیں الگ الگ قومیں اور قومیتیں قرار دے رہے ہیں حالانکہ ان منطقوں میں ماحول کے معمولی فرق کے باوجود مشترک اسلامی نقشِ معاشرت نمایاں ہے۔ مگر یہی لوگ اتنے بڑے معاشرتی تفاوت کو جو ہندوؤں، اور مسلمانوں میں موجود ہے اور تھا، نظر انداز کر کے ہندو اور مسلم کو دو جُدا معاشرتی منطقے قرار دینے سے گریز کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس عظیم معاشرتی فرق کے باوجود ہندو اور مسلمان ایک قوم ہو سکتے تھے۔ غیر عقلی منطق اور غیر مربوط قیاس کی اس سے بدتر مثال کہیں نہیں ملے گی۔

بیسویں صدی کی تاریخِ اقوام یہ بتاتی ہے کہ تہذیبی اور معاشرتی لحاظ سے اتنے وسیع تفاوت کے ہوتے ہوئے کسی جگہ کے مختلف طبقات میں ایسی یک جہتی کہیں ظہور میں نہیں آئی جو ان مختلف المعاشرت طبقوں کو ایک قومیت پہ رضامند کر سکتی۔

بلقان اور جرمنی کی مثال ہمارے سامنے ہے اور اب انگلستان اور آئرلینڈ کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ اور تازہ تر یہ ہے کہ کنیڈا میں فرانسیسی طبقہ اس بنا پر جُدا تشخص کا علمبردار ہے کہ نسل کے علاوہ اس کا ذوق و مشرب، وہاں کے دوسرے طبقات کے ذوق و مشرب سے جدا ہے۔ جنرل ڈیگال نے اپنے آخری دورۂ کنیڈا میں یہی بات کہی تھی۔ اس ساری بحث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دو قومی نظریے میں قائدِ اعظم نے جس تہذیبی و معاشرتی عنصر کا ذکر کیا تھا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بالکل ممکن تھا کہ مذہب و معاشرت کے اس فرق کے باوجود مسلمانانِ ہندوستان ایک مملکتِ ہند میں ایک شریک کی حیثیت سے شامل ہو جاتے لیکن ہندوؤں نے سیاسی طور سے بھی مفاہمت نہ کی اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر یہ مفاہمت ہو بھی جاتی تو یہ معاشرتی و تہذیبی اختلاف اسے دیر پا نہ رہنے دیتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اتحاد کے بعد جدائی کے اسباب معاشی ہوتے لیکن دوبارہ جدائی کی بنیاد پھر انھیں معاشرتی و تہذیبی اختلافات پر رکھی جاتی تھی، کیونکہ یہ بے حد نمایاں ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اتنے کھلے ہیں کہ چند لمحوں کی ملاقات ہی ان کے ظہور کے لیے کافی ہے۔ غور فرمائیے کہ ہندوؤں کے کھانے پینے کے آداب مختلف، سلام و کلام کے طریقے مختلف، تواضع کی رسمیں مختلف سب کچھ مختلف تو پھر اتنی بڑی خلیج کے ہوتے ہوئے ارتباط اور یک جہتی اور گھلاوٹ کس طرح ممکن تھی۔

اہم بات یہ ہے کہ تاریخ کے ہیرو بھی مختلف ہیں۔ ہندو کے ہیرو اشوک، بکرماجیت، چندر گپت۔ مسلمانوں کے ہیرو خالد بن ولید، صلاح الدین ایوبی، جلال الدین خوارزم شاہ، طارق اور سلطان محمد فاتح وغیرہ۔

یہاں تک خیریت سمجھیے مگر جہاں ایک کا ہیرو دوسرے کا تاریخی دشمن ٹھہرتا ہے وہاں صورتِ حال خطرناک ہو جاتی ہے۔ محمد بن قاسم، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، بختیار خلجی، اورنگ زیب عالمگیر کا نام سنتے ہی ایک ہندو چڑ جاتا ہے۔ اور سیوا جی اور بندا بیراگی کے نام ایک مسلمان کے لیے ناپسندیدہ نام ہیں۔ ایسی صورت میں روحانی اور نفسیاتی مغائرت بالکل قدرتی امر ہے۔ اور سچ پوچھیے تو عہدِ اسلامی کی پوری تاریخِ ہندوستان ہندوؤں کے لیے باعثِ توحش ہے جس کا اظہار ان کے مصنف کرتے رہتے ہیں۔

یہ قصہ تو رہا تاریخ کا۔ اب ذرا ذوق و مشرب کی بات سنیے! اور یہ ذرا باریک بات ہے۔ آغاز اس کا فنِ تعمیر سے کیجیے۔ مسلمانوں کا تعمیری ذوق وسعت اور خارجی عظمت کا شائق ہے۔ اور ہندوؤں کا فنِ تعمیر تنگی، گپھاپن اور داخلی تہ بہ تہ پیچیدگی کا۔ (مثلاً مندروں کے اندر کا منظر دیکھیے) مسلمانوں کی تعمیرات میں تناسب (SYMMETRY) پر زور دیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی تعمیر میں مخروطیت اور کلس نمایاں ہے۔ مسلمان منبت کاری میں ذوق کا اظہار کرتے ہیں۔ ہندو بتوں کی تصویر کاری اور مجسمہ سازی سے محظوظ ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کی موسیقی توانائی میں اعتقاد رکھتی ہے۔ ہندو موسیقی غم اور اداسی کا تاثر پیدا کرتی ہے۔ مسلمانوں کے ادب وقائع عظیمہ کے اردگرد گھومتے ہیں اور عہد بہ عہد تاریخ بتاتے جاتے ہیں۔ ہندوؤں کے ادب میں مہابھارت پر تاریخِ انسانی کا اختتام ہے اور ان کے فنون میں تاریخ ندارد۔

مسلمان اپنے علوم میں محسوس پر زور دیتے ہیں، ہندو تجریدی علوم میں مہارت رکھتے ہیں مسلمانوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب سے بڑا معیار عمل ہے، ہندوؤں کا سب سے بڑا معیار وہم و خیال ہے مسلمانوں کی غایت یہ ہے کہ نیکی کو ساری دنیا میں پھیل جانا چاہیے، اس لیے کائنات کی تسخیر مسلمان کی غایت ہے ہندوؤں کی نظر داخلی اور ہند کے حدود تک دروں بیں ہے، قدیم ہندو سمندر کے سفر کو حرام سمجھتے تھے، ان کی غایت اپنے اندر سمٹنا ہے مسلمانوں نے دنیا کی تقریباً ہر نسل سے دوچار ہو کر اس پر اپنا اثر ڈالا، ان کی غایت دنیا میں پھیل جانا ہے۔

ہندوؤں کے نزدیک ہر دوسری قوم اجنبی اور ملیچھ ہے یعنی ہندو تداخل افکار کے مخالف ہیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی نظر میں رب العالمین کے سب بندے اس کی رحمت کے طلبگار اور انسانی برادری کا حصہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فرق معمولی نہیں اور ایسے ہیں جنھیں نہ مٹنے والا فرق کہنا چاہیے۔ اب اہلِ فکر خود ہی فرمائیں کہ ان اختلافات کے ہوتے ہوئے کیا ہندو اور مسلم صحیح معنوں میں کبھی ایک قوم بن سکتے تھے؟ مجھے یقین ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔

ہمارے بعض احباب جدید الوضع ہندوؤں اور مسلمانوں کی ظاہری وضع قطع کو دیکھ کر انھیں ایک قوم کہہ دیتے ہیں لیکن سوال چند خواص کا نہیں کروڑوں عوام کا ہے۔ ان کے مابین اس طرح کا فرق نہیں جو صوبہ سرحد کے پٹھان اور بمبئی کے کسی مسلمان کے مابین ہے۔ کیونکہ یہ فرق محض جغرافیائی ماحول کا ہے اور ان کے آپس میں گہرے روحانی اور تاریخی اور مشترک اسلامی نقوش معاشرت کے محکم روابط ہیں۔ اس کے برعکس ہندو اور مسلم کا فرق گہرا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس فرق نے ہزار سال کی یکجائی کے باوجود دونوں قوموں کو ذوق اور ذہن اور نقطۂ نظر میں جدا رکھا اور وہ آج بھی جدا ہیں۔

آج بعض لوگ پاکستان میں قدیم قبلِ اسلام تہذیبی علامتوں کے زور سے، دراوڑی اور ہندی آریائی تہذیبوں کو مقدس بنا کر، دو قومی نظریۂ پاکستان کو منہدم کرنا چاہتے ہیں مگر ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی مسلمان اس منطق کو قبول نہیں کر سکتا۔

اگر مسلمانانِ پاکستان ہڑپہ اور موہنجوڈرو کی تہذیبوں کو مقدس مان لیتے ہیں تو پھر بھارت کے مسلمانوں کے لیے مہابھارت کی تہذیب کیوں مقدس نہ ہو گی۔ اور خود پاکستان کے پنجاب میں رگ وید کو کیونکر مقدس کتاب کا درجہ نہ دیا جائے گا۔ اور اگر مقصد یہی کچھ ہے کہ مسلمان ان پرانی تہذیبوں کے نام لیوا بن جائیں تو اعلان کر دیجیے کہ تاریخِ اسلام کے باب کو حذف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا جائے۔ کیونکہ جس دن ہم رِگ وید کو اپنی مقدس کتاب مان لیں گے اسی دن سے قرآن کی نسخ عظمت کو ہم مسترد کر رہے ہوں گے۔ کیونکہ ہماری آخری اور واحد و اجب التقدیس کتاب قران مجید ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مطالبۂ پاکستان کی ظاہری اور وقتی وجہ کچھ بھی ہو، اس کی ایک اصولی اور مستقل اور گہری وجہ یہی معاشرت کا ناقابلِ حل اختلاف تھا جس کے زیرِ اثر سب دوسرے مسئلے مثلاً معاشی اور سیاسی اختلافات، پیدا ہوتے۔ ان کے ہوتے ہوتے سیاسی مسئلہ حل ہو بھی جاتا تو بھی معاشرتی و معاشی مسئلہ برقرار رہتا۔ اور بالآخر یہ معاشی و معاشرتی مسئلہ ایک مرتبہ پھر کسی شدید تر تحریکِ پاکستان کو جنم دیتا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کے ظاہر میں سیاسی مسئلہ تھا مگر اس کے پیچھے زبردست معاشی عوامل بھی چھپے چھپے اپنا کام کر رہے تھے جن کی بنا ایک ایسا معاشرتی احساسِ علیحدگی تھا جو جدا مذہب کے عقائد و تصورات سے ابھرا تھا۔

یہ معاشرتی احساسِ علیحدگی، امیر، غریب اور سرمایہ دار اور بے مایہ کے اصول پر نہ تھا، بلکہ مذہبی بنیاد پر تھا۔ ورنہ معاملہ یوں چلتا کہ سب ہندو اور مسلمان غریب ایک طرف ہوتے اور سب ہندو اور مسلمان امرا و سرمایہ دار دوسری طرف۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہندو غریب اور امیر دونوں طبقے بلا امتیازِ غربت و امارت مسلمانوں کے مخالف تھے اور اس مخالفت کا باعث بجز مذہبی اور معاشرتی اختلاف کے کچھ نہ تھا۔ غرض معاشرتی، یا وسیع تر ثقافتی محرکات کا قیامِ پاکستان میں موثر ترین حصہ تھا۔

© rasailojaraid.com